

# رکی ہوئی عمر

میرے یار غلام علی نے ولیت جا کے خط پایا کہ اونے اک ایسی بڑی خبر سنی ہے جنے اس کوں ہلا کے رکھ دیا ہے اور اس کا جیونا مشکل کر دیا ہے۔ اس کے حضرت صاحب کے صاحب زادے پورے ست دن بیمار رہ کے فوت ہو گئے اور روشنائیوں والے ذریے تے گھپ ہنیر کر گئے۔ صاحب زادہ صاحب، حضرت صاحب کی اکلوتی اولاد تھے اور اس کے پیچھے سب کچھ خالم خالی تھا۔ نہ کوئی جدی وارث، نہ روحانی وارث، نہ لڑی اگے چلانے والا۔

غلام علی نے لکھیا تھا کہ میں نے حضرت صاحب کو تعزیت کا تار بھجوادیا ہے پر وہاں کسی کی حاضری بت ضروری ہے ماکہ زبانی طور پر بھی غلام علی کی حضوری ہو سکے اور حضرت صاحب کے دکھ سکھ میں اس کو پورا شریک سمجھا جائے۔ ذریے پر حاضری کا یہ کام غلام علی نے میرے سر ڈالیا تھا، پر ہمارے گھرانے میں چونکہ پیروں فقیروں تے ملنا اور ذریوں آستانوں تامیں جانا عیوب کی بات سمجھی جاتی ہے اس واسطے میں کئی دن تک سوچتا ہی رہا اور اپنے آپ کو اس پینڈے کے لئے تیار ہی کرتا رہا۔

سفر کوئی زیادہ لمبا نہیں تھا۔ راجہ جنگ ٹیشن پر اتر کر یکہ لینا تھا۔ تمن میل کے پینڈے کے بعد جہاں نیائیاں آ جاتی ہیں، وہاں اتر جانا تھا۔ پھر پیدل چل کے ذریہ صاحب اپر جانا تھا۔ ذریے پر حضرت صاحب کو غلام علی کا پیغام دینا تھا اور پھر ائے پیر مرزا نا تھا۔

پورے دس دن کی سوچ بچار کے پیچھے جب میں اپنے گھر کے لوگوں سے چوری نیا یوں کے نیڑے یکے سے اتریا تو اودھ بھری رت جوان دو میاریں کھڑی تھیں۔ میرا وستر دیکھ کے دونوں ہنسنے لگ پڑیاں اور ایک دوسرے کے ساتھ جست کرایے بل کھانے لگیاں جیسے ڈاکٹری محکمے کے مارکے والے دو سانپ ایک دوسرے کے ساتھ لپٹنے ہوتے ہیں۔ میں نے سانپوں کو تو بل کھاتے ڈھنا تھا پر کڑیوں کو اس طرح پٹ لپیٹ کرتے نہیں دیکھا تھا۔ میں نے ان دونوں سے حضرت صاحب کی درگاہ کا پوچھا تو ہور زیادہ ہنسنے لگ گیاں اور اپنے سالو سمیت کر تھے گیا۔ میں دور تک ان کو نہیں دیکھا رہا۔ وہ رک رک کے اور مژہ کے اور چرلا لا کے نس ریاں تھیں اور ان کے وجود دھوز کے اندر ڈلکاں مارتے جاتے تھے۔ ڈلکاں مارتے وجود دیکھ کے میری طبیعت بڑی راضی ہوئی اور میں نیا یوں میں اتر کے اپنے پینڈے پر روانہ ہو گیا۔

حضرت صاحب کا ذیرہ کچھ بہت دور نہ تھا۔ مشکل سے دو مریعوں کی داش ہو گی پر راستہ بہت کھڑا تھا۔ ساری راہ کھالاں ملتا اور ٹبوں پر ڈگتا ڈھیتا اور تھاں تھاں چکڑ سے نلکتا گیا اور سوچتا گیا کہ پتہ نہیں یہ لوگ اپنے ذیرے ایسی تھاؤں پر کیوں بناتے ہیں جدھر کوئی اپڑھی نہ سکے۔

حضرت صاحب کا ذیرہ کچھ پکے کاندھ کوٹھوں کی ایک بستی تھی۔ ان میں کچھ کوٹھے بہت اور پکے گھٹ تھے۔ کوٹھوں کے باہر ڈنگروں کے ڈھارے تھے۔ ایک طرف کڑیوں کا لمبا چوڑا رہن تھا، ساتھ ہی بکریوں کا واڑہ تھا۔ کچھ میمنے باہر بھاگے پھرتے تھے۔ حق وائلے ایک بزرگ جنے حق بھوئیں رکھ کر دونوں ہاتھوں سے میرے ساتھ مصلائف کیا اور بولیا ”شاہ صاحب کو سلام کرنے آئے ضرور بور شاہ صاحب اس ٹیم وظیفہ کرتے ہیں۔ آپ کو انتظاری کرنی پڑے گی“۔ پھر اس نے ایک منجی کھینچ کر بکان کے نیچے کر دی اور آکھن لگا ”لنگر کرو گے؟“ میں بولا ”لنگر تو میں گھر سے کر کے چلیا آریا ایں۔ پانی کا گھٹ ہووے تو ضرور پیواں گا۔“

”کنویں نہیں۔ کنویں نہیں“ اوے واپس مڑتے ہوئے کیا ”لکھ پانی، ہزار پانی، ددھ

پیو۔ لئی پیو، آپ کا اپنا گھر ہے۔ اپنا ذیرا ہے۔ ”

پرے تین چار عقیدت مند کوئی دوائی گھونٹ رہے تھے۔ ان کے پاس ایک کڑھائی چڑھی تھی۔ ساتھ ہی تو لا بیٹھا جزی بوئیاں قول قول کے ڈھیریاں لگا رہا تھا۔ ایک مندوری میں عورتیں بالن ڈال کر آگ مجھنا رہی تھیں۔ بڑے بڑے لانبو بڑی بڑی زبانیں باہر کڈھ رئے تھے۔ کچھ لوگ بڑی دیوال کے ساتھ اوپنچے چونترے پر کھیس لے کر سورہ ہے تھے۔ ان کے عصے، متار، گھنگھرو اور میل خورے و ستر ایک ڈھیر کی صورت میں سربانے کے نیڑے پڑے تھے۔ میرے اندازے موجب وہ منگتے قلندر تھے جو رات کا پھیرا کر کے فجر دیلے واپس آئے تھے، تدی ایسی گھری نیند سوئے ہوئے تھے۔

حقے والا جنامیرے لئے پانی کا کرو اور چھنانے کر آگیا اور کمن لگا ”میں اندر ارداشت اپڑا دلی ہے۔ آپ سر کار ارمان تے بیٹھو۔ بلاوا آگیا تو میں جناب کوں بلا کے حضور کو پیش کر دیاں گا۔“ میں کینا ”میرے پاس وقت گھٹ ہے اور میں جلدی واپس جانا ہے۔ اگر آج مشکل ہو تو میں پھر کسی دن آجائوں گا۔“

اس نے ہاتھ جوز کر کما ”ناں سائیں ناں۔ ایبہ گل ناں کرو۔ ایبہ چے سائیں کاؤ ریا ہے۔ سجن سائیں کے ڈیرے تے کاحلا تاولا ہون کی لوڑ نیں۔ سب کام آپے ہو جاتے ہیں، کیے بغیر بولے بغیر، گھابرے بغیر۔“

میں پانی پی کر فارغ ہوا ہی تھا کہ ایک مندر اسامنڈا اپنے کنڈل سنوارتا ہمارے پاس آکر کھڑا ہو گیا اور مدھم آواز میں بولا۔ ”سائیں اذن فرمایا اے۔“

اس آدمی نے سختی کے ساتھ مندرے منڈے سے کما ”اوے اوت کجان پسلے سلام کیتا کرو پھیر بیگام دیا کرو۔“

لڑکے نے میکوں سلام کیا اور پھر اسی ٹون میں بولا ”سائیں اذن فرمایا اے۔“

شاہ صاحب کا کوٹھا اندر سے بڑا صاف ستھرا اور خوبصورت تھا۔ دیواروں پر مکے مدینے، اجیر شریف اور داتا دربار کی سورتیں لکھ رہی تھیں۔ چھت کے ساتھ بھلی کے رنگیں لاثو تھے اور کوٹھے کے اندر ایک طرف پیتل کا چوکھیا دیوار کھا تھا۔ اگر بتیاں سلگ رہی تھیں اور

شہ صاحب فوم کے موٹے گدے پر ایرانی قالمیں بچھائے دیوار سے ڈھونگا کے بیٹھے تھے۔ میں نے آگے بڑھ کے دونوں ہاتھوں سے مصافحہ کیا اور چپ چاپ ان کے سامنے بیٹھ گیا۔

”لاہوروں تشریف لیائے ہو؟“ آپ نے پوچھا۔

”جی“ میں نے گلا صاف کر کے کہا ”میرے دوست غلام علی نے ولایت سے لکھیا ہے کہ میں آپ کی خدمت میں حاضری دوں اور ان کی طرف سے صاحب زادہ صاحب کا افسوس کروں“۔ انہوں نے اپنا منہ اوپر اٹھا کر چھٹ پر نگاہیں گاڑ دیں اور خاموش ہو گئے۔ مجھ سے کچھ بولیا نہ گیا تو آپ نے آپے کہنا شروع کر دیا ”غلام علی بڑا ساو بندالے اور اس کی روح بڑی سعید اے۔ ہم کو وہ اپنی اولاد کی طرح پیار اور بچوں کی طرح عزیز ہے۔ ہم اس کو اپنے خانوادے ہی کا ایک بند اسکھتے ہیں، مرید نہیں۔ پر بڑی دور چلا گیا ہے اور بڑی دیر کے لئے چلا گیا اے۔ زندگی کا کوئی اختبار نہیں۔ دیلے سے کویا لا ہو جاتا ہے۔ جن متر سے دوری ہو جاتی ہے پر کوئی زور نہیں چلتا۔ ایہہ بی اللہ سچے کا بھانا ہے۔ وہ جس طرح چاہے حق ہے، جو کئے سچے ہے۔ سدا جگ سدا سنوار اس کے حکم کی ایک ریکھ ہے، اسی کے حکم کا دسخڑ ہے۔ کیوں جی؟“

اب میں ان کی بات کا کیا جواب دیتا اور کس منہ سے ان کے اقرار میں شرکت کرتا۔ ایک پُری عقاب کے سامنے تھی۔ گل کرنی مشکل تھی۔ میں گھابر سا گیا تو انہوں نے چرہ میرے سامنے کر کے پوچھا ”غلام علی کے آنے کا کوئی پروگرام نہیں؟“ میں کیا ”جی ابھی تو اس کو تین سال اور لگیں گے، پھر پتہ چلے گا۔ اس وقت تو اس نے مجھے صاحب زادہ صاحب کی تعزیت کے لئے بھیجا ہے اور میں اس کے حکم موجب حضور کی خدمت میں حاضر ہو گیا ہوں۔ اس نے اپنے آنے کا کوئی پروگرام نہیں دیا“۔ میں کچھ تحرک سا گیا تھا۔

انہوں نے خوش ہو کر کہا ”حکم مانے والے کے لئے رہنمایا اور تسلیم کے واسطے برستاں۔ خدا سدا خوش رکھے۔ آپ نے بڑی تکلیف کی“۔

میں کہا ”کوئی تکلیف نہیں حضور! یہ تو میری خوش قسمتی ہے کہ آپ کے بھندزار کی زیارت ہو گئی۔ ڈیرے کے درشن ہو گئے“۔

انسوں نے اپنی آنکھوں کے پانی کو موٹی سی چدر سے پونچھا اور کہنے لگے ”نصرالله میرا ایک ہی بیٹا تھا اور دنیاداری ناتے میرے بھائوں میرا سب کچھ وہی تھا۔ بڑا صبر کر یا بڑی توہہ تلاکری پر جو اس کا حکم۔ منظور! حکم تو منظور پر منظوری کو منظوری نہیں ملی۔ بندابشر اے۔ کمزوری نہیں جاتی، انبو نکل آتے ہیں۔ دیکھو ناں جی کدو کو بھی کدو کی ول سے تو زیں تو ڈنڈی سے پانی کی بوند نکل آتی ہے۔ بندا کیا کرے!“

ان کی خوبصورت غلافی آنکھوں سے دو بڑے بڑے انبو باہر نکل کر انکی داڑھی میں اتر گئے۔ میں اسی طرح چپ کر کے بیٹھا ریا۔ بڑی دیر تک ہم دونوں کے درمیان خموشی کی بات چیت ہوتی رہی اور ہم دونوں ہی سرجھکائے بیٹھے رہے۔

اتنے میں وہی مندر امنڈا جوازن لے کر میرے ال آیا تھا، اندر داخل ہوا۔ اس نے سر دل کے پاس ہی اپنے گودے بھوکیں پر تیک دیئے اور بولا ”حضور پھر لے جائیے، مستری نبی بخش آگیا اے“

حضرت صاحب نے پوری آنکھیں کھول کر انگلی کے اشارے سے منع کیا اور بولے ”پھر اندر لے آسلامت علی! جن ہسیئے شروں آئے ہیں، ایساں کی رائے بھی لے لیے۔ کیوں جی؟“

میں نے ان کی بات سمجھے بغیر کیا ”کیوں نہیں جی، کیوں نہیں۔“ تھوڑی دیر بعد دو بنے بڑی عقیدت سے سنگ مرمر کی ایک سل اچا کر پولے پولے قدم رکھتے آئے اور دروازے کے پاس ہی رک گئے۔ حضرت صاحب نے ہاتھ کے اشارے سے اسیں اپنے پاس بلایا۔ وہ پولے پولے قدم اٹھاتے حضور کے سامنے آگئے اور سنگ مرمر کی سل ان کے سامنے کھڑی کر دی۔

شاہ صاحب ہولے سے بولے ”اس پر نظر مارو جی۔ ٹھیک اے۔ خوش خط لکھی اے کہ چالو کام کیا اے۔“

میں نے سنگ مرمر کی سل کو دھیان سے دیکھا۔ وہ صاحب زادہ صاحب کی قبر کا کتبہ تھا۔ اور پر ”کل نفساً آئتہ الموت“ لکھا تھا۔ یچے جلی قلم سے صاحب زادہ نصیر الدین شاہ کا نام لکھا تھا۔ اس کے یچے ایک ہی سطر میں تاریخ پیدائش ۱۸۹۳ء اور تاریخ وفات ۲۰۱۹۵۲ء لکھی تھی۔ خطوط وحدانی میں عرب دو سال لکھی تھی اور یچے شعر تھا:

پھول تو دو دن بہار جان فرا دھلا گئے  
حرست ان غنوں پہ ہے جو بن کھلے مر جھا گئے

میں نے صاحب زادہ صاحب کی عمر کا حساب دی گئی تاریخوں سے لگایا تو ان کی عمر ان سو سال بنتی۔ لیکن خطوط وحدانی میں دو سال لکھی تھی۔ میں اس بھل سے بھکلا گیا اور تھوڑی دیر رک کر بولا ”حضور سنگ ساز مور کھپنے سے عمر غلط لکھ گیا ہے۔ صاحب زادہ صاحب کی عمر ان سو سال بنتی ہے اور اس نے صرف دو سال لیک دی ہے۔“

آپ نے میری بات کا کوئی جواب نہ دیا تو میں نے ذرتے ذرتے سوال کیا ”حضور یہ شعر بھی اس نے اپنی طرف سے بے جوڑ چلا دیا۔ یہ تو نکے اینوں کے لئے لکھا جاتا ہے، بڑی عمر کے لوگوں کے لئے نہیں۔“

انسوں نے دنوں اکھیاں بند کر کے کیا ”ایہہ عمر بھی میں نے نکال کے دی اے اور ایہہ شعر بھی میں ای لخوا یا اے۔ آپ صرف ایہہ دیکھو کہ لکھائی صفائی تھیک اے کہ نہیں۔ خوشخطی صحیح ہے۔“

میں کیا ”جی لکھائی صفائی تو بالکل تھیک اے پرمضموں عبارت غلط ہے۔“

فرمایا ”مضموں بھی تھیک ہے صاحب میرے اور عبارت بھی درست ہے۔ اصل حقیقت ایسی اے اور حقیقی بی ایسی اے“

پھیر تھوڑی دیر خوش رہ کے بولے ”برخوردار نصیر الدین نے دو برس کی عمر بعد پورے لفظ اور پورے فقرے بولنے شروع کر کے سب کوں حریان کر دیا۔ سوہنا کلام تے سوہنی گفتار۔ جو بھی اس کیاں باتاں سن دا۔ دلوں بجانوں عاشق موہت ھو رہندا۔ لاذ لذاندا۔ پیراں ہیٹھ بنتھ رکھدا۔ جن سیلیاں گودی گودی چالی پھرتے۔ بست راضی

رہتا۔ خوش ہوندا۔ اڑیاں کردا۔ پر لاڈ پیار ہو ر عشق دلارنے برخوردار کی ترقی روک دئی۔ درجات بند ہو گئے۔ ضدی، خود غرض، خود پسند ہو کے رہ گیا۔ حقیق کوں چھند کے چیزوں و ستائ کیاں مجتباں ماں بھیا گیا۔ اس فقیری ذیرے بدولت سرکارے دربارے مل بندھن کر لیا۔ جاند اداں بنا نیاں شروع کر دیاں۔ مال گھاؤ گھپ کر لئے۔ اپنے آپ اور اپنی ذات کا بندابن گیا۔ مخلوق خدا کنوں اڑھو کے صرف اپنی سیوا کرن لگ گیا۔ انٹھ سال عمر ضرور پائی پر پسلے دو سالاں کنوں اگے نہ جا سکیا۔ ساری عمر ایوں ای اکارت گئی۔ ایوں ای بر باد ہوئی۔ اصل عمر نصیر الدین شاہ صوراں کی دو سال ای بتی اے۔ جد اس نے گل کلام شروع کریا۔ اس کے پیچھے تو سب ذات اپنی ذات اے۔ انا ای انا اے۔ غرض اپنی غرض اے۔ مرحوم دو سال تے اگے نہ اپڑ سکیا۔ اس پھرتے ایسہ عمر بھی میں درج کری اے اور ایسہ شعری میں اپنی لکھوایا اے۔ توئیں بتا صاحب میرے کہ نمیک اے کہ نہیں۔ ایسہ دیکھو کہ کتبے کی لکھائی صفائی جائز تھکانے ہے کہ ایوں جھوٹی سنگارتا کر گیا اے سنگ ساز ”

میں بے پران۔ بے دھڑا ہو کے بیخماریا۔ جواب کی دیتا اور بول کے کیا کر لیتا۔ حضرت صاحب نے بولئے جو گا چھاؤ یا ای نیں تھا۔



سید کرم شاہ کی پچھیری بھری جوانی تے آئی  
تو پھسلتی جلتی۔ پچھیری سارے میں پھر توں مچا دینی  
سکتا۔

شاہ صاحب نے گاموں مراثی کو بلا کر آکھ  
کر اسے کرنیل صاحب کے ذیرے تے لے  
صاحب کوں میرا سلام آکھیں تال عرض کر  
گے۔

کرنیل صاحب کے گھوڑی پال مرلع تے رُ  
گھوڑیاں کا اک میلہ لگیا تھا۔ دور دور تے لوک  
گاتے اور صفت شناکر کے شاباشیاں دینتے کہ وا  
لیتی گھاس، جئی اور شنالے کے اندر گھوڑ۔  
کرتے، چھتنا رکھوں تلے استھان کرتے۔ شام  
گرم ہو جلتی، اس کا گھومنا پھر نارک جاتا۔ اگازی  
دانہ پٹھا اندر ملتا۔ کھر کھرا برش چحمد دیا جاتا

# ایک ہی بولی

واں کے پینے کی خوبی بدل گئی۔ مکھی بیٹھتی  
ن۔ پوڑا مارتی، دھوڑا اڑاتی۔ کوئی نیڑے نہ جا

میا ”لے اوئے کر ملی پھڈے کو ساتھ لے  
جَا اور ولائتی گھوڑے تے بھروالیا۔ کرنیل  
بیں کہ شاہ صاحب فیس آپے آکے بھرن

نگ رنگ کے اوچیاں شانشان والے گھوڑے  
آکے اوہناں کے درشن کرتے، قصیدے  
واہ بیں واہ۔

ے گھوڑیاں کھلے چھرتے۔ نوبھے اندر اشان  
م کو واپس اصطبل اپڑ جاتے۔ جو کوئی گھوڑی  
ی پچھیاڑی لگا کر کوٹھے میں بند کر دی جاتی۔  
۔ کرنیل صاحب آپے آکر گھوڑی کا پنڈا

دیکھتے۔ تھر میٹر لگا کر گرمی مانتے۔ اکھیاں اتھل کر ڈورے دیکھتے اور پھر حکم لگاتے کہ اس پر کونسا گھوڑا چھوڑا جائے۔

کرنیل فدم کے گھوڑے دور دور تک مشوری رکھتے۔ سارے بیوپاریوں کو پتہ ہوتا کہ کونسا وانہ کس قیمت کا ہیگا اور کس تے کتنا نفع کیا جاسکتا ہے۔ ولیقی گھوڑیاں دیسی گھوڑوں سے ملا کر کرنیل صاحب نے ایک ہیرا نسل جنمای تھی جو نرمائی میں ملام، لوٹھ میں مگنڈی، ٹبا لنگھنے میں تاویلی اور نئے میں بھلی تھی۔ گرم علاقوں اور ریگستانوں میں اس نسل کے گھوڑوں کے موکلے ناسے کھلے سموچے سانس لیتے تھے۔ گردان آکڑی اور سیس، اچائے رہتے تھے۔ دیکھنے والے کو سرور آ جاتا تھا۔

گاموں مراثی پچھیری کرنیل صاحب کے شہزادے لا کر صوبیدار سے بولیا "صاحب بہادر پچھیری بھراں ہے اور بھراں بھی مشکلی گھوڑے تے ہیگی جو کرنیل صاحب نے آسٹریلیا سے سدا یا ہے۔ سید کرم شاہ، کرنیل صاحب کوں سلام بولیا ہے ہور کرنیل صاحب کوں توجہ فرمان کی فرمائش کری ہیگی۔ میں آپے بھی ارے ٹکوں گا اور میرے نال ایہہ گھبرو کر ملی بھی ڈیوٹی دیوے گا۔ حکم فرماؤ ہن کی کریے"۔ صوبیدار بولیا "شین فورڈ کی فیس دو سو روپے ہے اور کرنیل صاحب کا آرڈر ایڈوانس لینے کا ہے۔ کاشن دیو تو اشن شن ہو کے پرچی کاٹوں نہیں تو شینڈے ٹی ہو جاؤں۔"

گاموں نے کہا "ناں صوبیدار صاحب شینڈے ٹی ہون کی کیا لوڑاے۔ پرچی کٹو بسم اللہ کرو۔ پچھیری بھراں اے کوئی مخول نہیں۔ بڑا پینڈا کر کے تیرے دوارے آئے ہیں۔ کرو بسم اللہ، لوڈ اپنی فیس دو سوروپے"

جد صوبیدار تین کاربن پیپر رکھ کے بال پوائنٹ تے پرچی کاٹنے لگا تو گاموں مراثی رہ نہ سکا۔ بڑھا گکڑ سا بن کر بولیا "صوبیدار صاحب! ایسہ دی ہور ای زمانہ آگیا اے۔ مرد کوٹھے تے رات گزارنے جائے تو پلے سے رقم بھرے، گھوڑے کا روح راضی کرنا ہو تو اٹا گھوڑی والا ناواں خرچے۔ واہ بھی واہ"۔

صوبیدار نے ہتھ روک کر کہا "پرچی کٹوانی ہے کہ نہیں کٹوانی؟"

”ضرور جی ضرور ”کرمی تاولا ہو کے بولیا“ پرچی کٹوانے ہی تو اتنی واث کر کے آئے ہیں۔ دے چاچار قم“۔ گاموں مراثی نے سوسو کے دونوں نکال کر صوبیدار صاحب کے سامنے رکھ دیئے۔

کچے احاطے میں جو گاموں مراثی اور کرمی پھٹے نے اپنی پچھیری کانکتہ کھول کر اسے چھوڑا تو وہ ایک چھپٹا مار کر پسلے تو الف ہو گئی، پھر اس نے شارے احاطے میں دڑنگے مارنے شروع کر دیئے۔ اندر اپنے اپنے کوٹھوں میں گھوڑے ات زور تے ہنسنا نے لگے۔ پچھیری نے اپنے اگلے دونوں سم کچی دیوار پر رکھ لئے اور جواب میں ہنسنا نے لگی۔

صوبیدار صاحب کے کارندے شین فورڈ کو دھانہ ڈال کے اور بج کہے اس کی دونوں راسیں پکڑ کر جدبر انڈے سے نکلے تو ایسے لگا جیوں روم کا کوئی بادشاہ اکھاڑے میں تشریف لاریا ہیگا۔ گھوڑے نے اپنا سجاسم بھوئیں پر مار کر دھوڑاڑائی اور اپنی بولی میں پچھیری کو سلاما علیکی کری۔ پچھیری نے سرنیوال کر کے اور پونچھل اٹھا کے تھوڑا سا موڑ کیا اور پھر چپ چاپ کھڑی ہو گئی۔ اس کو بادشاہ کی بولی سمجھنہ آئی۔ شین فورڈ سلام کا جواب نہ پا کر زور سے گرجا اور اپنے بوتحے کو ہچوکا دے کر دونوں راس تھامیوں کو گوڑے بھار گرا دیا۔ صوبیدار نے دور سے آؤ رہا ”گھوڑا کھول دو اور آپ ری ٹریٹ کرو۔ ایکدم۔ ایٹ ونس“۔

بڑے کارندے نے شین فورڈ کے ماتھے کی ایال پکڑ کر اس کا سرنوایا اور دھانہ کنوتیوں سے نکال دیا۔ کالا سیاہ پہاڑ اپنی جگہ سے اچھلا، ہوا میں گرجا، بھونچال بن کر دھرتی کو ہلایا اور تھوڑتھوڑی اچا کر پچھیری کے نال جا کھڑا ہوا۔ ایک غیر گھوڑے کو اپنے اتنے نیزے دیکھ کر پچھیری پرے ہٹ گئی۔ شین فورڈ اس کے وارنے کرنے لگا۔ پچھیری ہور پرے ہٹ گئی۔

گاموں مراثی چونترے کے او حلے کھڑے کرمی پھٹے کوں آکھیاں ”ایسہ کیا گل ہوئی کرمی۔ گھوڑا اے کہ گدڑ؟“

کرمی بولیا ”چاچا ایسہ ولتی گھوڑا ہے سیانا! ایسہ لوگ دیسی لوکاں کی طرح اوکھے نہیں

ہوتے۔ گھابرتے نہیں۔ انکال وجہ نہیں آتے۔ اوہ لارکہ کے کام کرتے ہیں۔ تو فرنہ کر ”

گاموں بولیا ”اپنی پچھیری اس کا کلام نہیں اپاتی۔ گل نہیں بھحتی۔ جو کدی اس کی بولی کو اپڑ جائے تو سیس نوا کر گوڑے فیک دے۔ پر دونوں میں فرق بست ہے“

کرملی بولیا ”چاچا میرے حباب سے تو دونوں کی ایک جیسی آواز ہے، اک جیسی بولی ہے، اک ای چنگھاڑ ہے۔“

”ناں بھائی ناں۔ ناں میرا سوہنا“ گاموں سر موڑ کر بولیا ”اپر اپر تے بولی ایک جیسی اے پر بڑا فرق اے۔ بڑی ورل اے دنال کلیاں اندر۔ پچھیری ہور بولدی اے، گھوڑا ہور بولدی اے۔ بڑا فرق۔ ایسہ میل نہیں ہو سکنا۔ مشکل اے“

”مشکل تو ڈھنٹا ہے چاچا پر ہو جائے گا انشا اللہ۔ اپنی پچھیری سیانی ہے، سمجھ دار ہے۔ گھوڑی ہے، گدھڑی نہیں“ -

اس بار جو پچھیری بولی تو سندھ کے ساتھ سارے پنڈ کے اندر اس کی چنگھاڑ گونج گئی۔ سندھ کے نال یا میں پتواری کا ذیر اتحاد۔ اس کے شوٹے جو یہ چنگھاڑ سنی تو ڈھر کے مارے پہلے تو تھوڑا سا جھولا کھا گیا، پھر اس کا موڑ نکل گیا۔ میں فوراً پچھیری کی ایسی گر جدار آواز سن کر گم سم ہو گیا اور نا میں پھلا کر زور زور تے سانس لینے لگا۔ اس کے مشکل پنڈے پر پسینے کی ایک موٹی سی تھہ چڑھ گئی اور وہ پانی پانی ہو گیا۔

چونترے کے او حلے گاموں اور کرملی بوری بچھائے بیٹھے دعا مانگ رہے تھے کہ کام جلدی ختم ہو اور وہ اپنی بھری ہوئی پچھیری لے کے سائیں کے پاس لے جا کے لذوؤں کی فرمائش کریں۔ کرملی بولا ”چاچا دعا کر۔ اک بار بی گھوڑا شپ گیا پچھیری انشا اللہ شر جائے گی“ -

گاموں منہ بھر کے بولا ”اوے بھائی میری دعا کیا کرے گی۔ گھوڑا تو نہیں ڈال کے کھڑا ہے۔ اس نمانے کو پچھیری نے نیڑے ای نہیں آنے دیتا“ -

”پھر بھی چاچا دعا میں بڑا زور ہے“ کرملی بولا۔

”اوے زور تو ہے پر بھیڑ دای نہ لڑے تو گاموں کی کرے؟“

اتنے میں شین فورڈ نے بھوئیں کے ساتھ بو تھو لگا کے ایک گر جدار چنگاڑ بھری اور کالی بھلی بن کر پچھیری پر ٹوٹا۔ پچھیری نے دونوں سم بھوئیں تے جما کر اگلی گاچیوں پر سدا وزن تولا اور جوان پھلوں کے زور پر پچھلی نانگوں کی کلن کی دونوں تنڈیاں ایک ساتھ توڑ دیں۔ ایک کھدا شین فورڈ کی متک تے پڑا اور ایک چیر اس پر آیا۔ لوٹکتا رکھ کر شین فورڈ رک گیا اور اسی جگہ پتھر ہو گیا۔ دونوں جانور بڑی دری تک اسی طرح کھڑے رہے اور کھڑے کھڑے ہی پھوکی نظرؤں سے اک دوچے کو دیکھتے رہے۔

صحح سویرے جب کوئھے ٹپنی پچھیری کو گاموں اور کرملی یا سین پٹواری کے ڈیرے سے پکڑ کر لائے تو ان کے پنڈے میں رو جیں نہیں تھیں، بس مرے مرے وگ رہے تھے۔ سدا اپنیڈا ایک نے دوسرے سے نہ کوئی گل کری، نہ دوسرے کو مڑک رکھا۔ چپ چھپتے وگدے رہے۔

سید کرم شاہ کے گڑ کے بڑ کے سن کر سدا اپنڈا اڑے کے اردو گرد جمع ہو گیا۔ سوانیاں چھتوں پر چڑھ کے دیکھنے لگیں۔ شاہ صاحب کڑک کڑک کے کہہ رہے تھے ”اوے باندر کے بھیوں، سور کے پتزو۔ جھندو، لکھ روپئے کی پچھیری تے پٹواری کاشٹو کرا کے لے آئے او شرم نہیں آئی۔ حیا نہیں آئی نمک حرامو۔ ملک کا کوئی خیال نہیں، کوئی آدنہ نہیں۔ کدھر مرجھے، کدھر دفع ہو گئے تھے دونوں؟“

”نہ ای مرے سائیں نہ ای دفع ہوئے“ گاموں نے ہتھ بخو کے عرض کری ”ہر وقت حاضر رہئے تے ہر گھری چوکس ریئے، پر اپنی پچھیری نے گھوڑا پسند ای نہیں کریا شروع وقت تے اخیر وقت تک“

”ایسے کس طرح ہو سکیا اے اج تک کہ ہیٹ تے آیا جانور اپنا آڑی پسند نہ کرے“

”اپنی پچھیری نے اس کوں اپنا آڑی سمجھیا ای نہیں سائیں۔ قبول ای نہیں کریا۔ جنگ جدال ای کر دی گئی اے“

”اوے کتیو“ شاہ صاحب نے گے میں بے بس ہو کے کیٹا ”لے کے کواری گھوڑی تباہ کر دئی۔ کدھر بھیجا تھا، کدھر سے گھبن کراکے لے آئے۔ مالک کا خیال ہوتا تولیف بچھا کے کواڑ میں نہ سوتے، پچھیری پر نظر رکھتے۔“

”سو نہ لے لٹو شاہ جی“ کرمی بولا ”پیراں تے ہتھ۔ نال تمیرے بردے سوئے نال ای بے دھیانے ہوئے۔ اپنی پچھیری کوں ولایتی گھوڑے کا بول بلاوا آکھ اشادہ سمجھ نہیں آیا۔ دونوں بڑے بولے، بڑے گڑ کے پر اک روچے کی سینت اشادہ نہیں سمجھ سکے۔ دل نہیں مل سکیا دوناں کا۔“

”دفع ہو جاؤ اوے۔ دور ہو جاؤ میریاں اکھیاں سامنے تے“ شاہ صاحب نے اپنا چولا چھاڑتے ہوئے آکھیا ”جد پچھیری کوٹھاٹپ کے باہر کدی پڑواری کے ڈیرے، ٹھونیزے، توں کدھر مر گیا تھا گامواں؟“

”مرے نہیں سائیں دونوں چیوندے جاگدے سوا دھان چھیگے تھے۔ دونیں اس کے پچھے نے۔ پر پچھیری کا مقابلہ انسان کس طرح کر سکتا اے۔ ایسہ ٹھوالے پنج کے اک دم مل گئی۔ اسان کوں اپڑن میں پندرہ ویسہ منٹ لگ گئے۔“

”پر ٹھو بھیڑا کر کے نہیں بنیا تھا پڑواری نے؟“ کرم شاہ نے پچھیا۔

”بڑا بھیڑا سائیں۔ بالکل کھونڈے نیزے۔ عین کیا ہوئیا۔ پر تسمت! پچھیری آپے کو دیاں مار کے اس کے ساتھ لگ گئی۔ ٹھوپر گیا۔“

”ٹھو نے تو پرنا ہی تھا“ شاہ صاحب نے کہا ”گدھے جو نال گئے تھے نگرانی واسطے“

”نگرانی بالکل ٹھیک رئی سائیں۔ نگرانی میں کوئی فرق نہیں آیا“ گاموں نے سیس نوا کے آکھیا ”پر اپنی پچھیری نے پسلے ای ٹھو کے ساتھ اٹ سٹ لگائی تھی۔ جد ہم پڑواری کے ڈیرے اگوں گزرے تھے تو اندر سے ٹھو نے آواز دی تھی“

”پچھر؟“ شاہ نے پچھیا

”پچھر سائیں اس نے بھی سلام علیک آکھی تھی جواب میں اپنی پچھیری نے۔ آپی گل

کلام شروع ہو گیا۔ اکبوالی جو تھی دونوں کی۔ ”

اب واڑے کے باہر اتنے لوگ اکٹھے ہو گئے تھے کہ شاہ صاحب نے اور کوئی گل کرنی مناسب نہیں سمجھی۔ سرناوا کے مٹھی آواز میں بولے ”اس کی ماں بھی بڑی کتنی گھوڑی تھی۔ اپنی نسل ہونے کے باوجود اودہ بی رلا پسند کرتی تھی سمجھری۔ پر میں ہر ایک سے نگہ آگیا ہوں۔ بندوں سے بھی اور ڈنگروں سے بھی۔ سارے ای قتل کرن جو گے ہیں“۔

یہ کہہ کر سید کرم شاہ اپنے ڈیرے ال چلے گئے پر پھیری نے اونھاں کوں مڑ کے نہیں دیکھیا۔ پونچھل پھٹکدی اور دانہ کھاندی رہی۔



اور پھر ادھر ہی کا ہوا رہتا۔

گوٹھ کنارے، پرانی بخیہ کے نیڑے ان کی جھگی تھی۔ کپا اسارا، اوپر کانیاں کی چھت، اندر پانڈو کا پوجا، باہر گیرد کے پھل بولے۔ یہ ساری ڈیکوریشن ٹھمکی کی تھی اور موجود پیر دھونے بغیر اندر نہیں جا سکتا تھا۔ تینوں ایک ساتھ اس گھر میں رہتے تھے اور تینوں ایک دوسرے کو دیکھ دیکھ کر جیتے تھے اور تینوں ہی عشق کے مارے ہوئے تھے۔ جد ٹھمکی باہر روئی پکاری ہوتی اور موجود اپنے پیر مانجھ رہا ہوتا تو کالا بدلت چاروں نانگیں پساد کر پیٹ کے بل چولئے کے پاس لیٹ جاتا۔ ٹھمکی آدمی ہائی ڈال کر اس کے لئے بھوئیں مختندی کر دیتی اور وہ جانکھیں کھول کر مختندی مختندی مٹی پر لیٹ کر آنکھیں بند کر لیتا۔

ٹھمکی چھٹا بجا کر کہتی "جھڈو! میں تیری ایک ایک رجع پچھاؤں میرے ساہورے۔ مجھے تو چولئے کے نزک میں جھوک کے اور اپن کیا مرابجوں جیسا المبارز پڑ جائے پھولال بادشاہ جادی کا دیور! تیری بوئی کاٹ کے کاگا آگے گیروں کی ایک رزمے"

کالا بدلت ایک آنکھ کھول کر اس کی طرف دیکھتا اور پھر ایک چھوٹی سی جملی لے کر اکھیاں بند کر لیتا۔ موجود آکھتا "بڑاتا موسم ہے ٹھمکی۔ بدلت کو کچھ نہ آکھ۔ ہر وقت ہونکتا رہتا ہے۔ پسلے جتنا بھاری شیش ریا"

"تیرے بھانویں ماڑا ہو گیا موجود پر میرے سے پوچھ" ٹھمکی آنکھیں نچا کر بولتی "دھینگا تو اس کے ساتھ میں کروں ہوں، تمیں کو کیا پتا ماڑا ہو گیا کہ بھارا۔ تو ایک روح اس کے ساتھ ریل دھکیل کر، پھر پتہ لागے کیساریلا ہے اس کا!"

نماش و میلے جد موجود ڈگنگی بجا کر کالے بدلت کا تماشا کرتا تو کلے نیانوں کے نال گوٹھ کے بڑے لوگ بھی آکے گھرے میں کھڑے ہو جاتے۔ موجود ڈگنگی کھڑکا کے کہتا "لوڈ جی صردانو، قدر دانو! ایدھر رچھ کا تماشا ویکھو، ایدھر قلندر کی وارتاسنو۔ شیراں کے وزیر کو نتھ پا کے نچانا نال جنے کئے کا دل پر چانا کوئی سکھلا کام نہیں۔ اک سانسہ اندر، اک باہر۔ موت مرن کا دھڑکا۔ سٹ پھٹ کا خطرہ۔ جنگل میلے کا وزیر۔ ماس خور نالے کیز خور۔ ہر وقت کا سسم، ہر وقت کا جگرا تا۔ سرتے کال کا چکر، دل وچ موت کا بھو۔ فقیر افقری دور۔

موت نیڑے۔ ہر وقت چکنا چور۔ اللہ نبی کا واسطہ اللہ نبی کار حم۔ ہاں بھئی کالیا بدلا کی آکھیا تیری سس نے جد توں اس تے روٹی شورہ منگیا؟"

کالے بادل نے زمین پر بہ کے اپنا ایک ہتھ ٹنڈا کر کے ہلانا شروع کر دیا۔ موجود بولیا "لوڈ جی روٹی شورہ منگیا سس تے اوئیں ڈوئی مار کے ہتھ توڑ دیا۔ اوئے تیرا ناس ہو جائے ستے۔ کتتے، کپتتے۔ ساہورا آیا پھیر اوس کوں شکایت لگانواں گا۔ تیرا چونڈا پتوانواں کا۔ اوئے ہوئے ہوئے اوس اک داری ہور ڈوئی ماری نال متار چالیا۔ بس بس۔ متحاٹیک دے۔ سیس نوادے۔ زاری کرنال پیرس پے جا۔ سس بری چاہے تپلی ہو دے چاہے بھاری۔ لے پھیرنج کے کس صورت یار منایے"۔

کالے ٹیجیا ان گھڑت رچھ اٹھ کے کھڑا ہو جاتا اور وحہب دھب نزت کرنے لگ جاتا۔ اس نال موجود ڈگڈگی بجا تا اور بے سری آواز میں گاتا کہ اک دن رب چاہیا تیری سس مری۔ تیرا ساہورا دو جی کر سی۔ دکھاں والا پینڈا اک جاہی۔ تیرا سوکھانیز ٹھوی۔ نارو کالیا بدلا ناں۔ آپے لگائیاں ہور آپ سماں"۔

سارے تماشائی خوشی سے تالیاں بجاتے اور موجود کے ساتھ گانے میں رل مل جاتے۔

پھر وہ ڈگڈگی روک کر اوپنجی ہاک مارتا اور ہتھ جوڑ کے آکھتا "اپنے اپنے پیر کاناں دھیا کے دو دو قدم پچھے ہٹ جاؤ پھیر رچھ نال ٹھمکی کی زور بزاری، مارا ماری دیکھو۔ سر وڈھویں دیر ملاحظہ کرو۔ واہ جی واہ۔" جب موجود یہ بانی پڑھ رہا ہوتا تو ٹھمکی اپنی جھگلی اٹھا کے سر کا سالو کس کے پیٹ کے ساتھ باندھتی۔ اس کا پیٹ ہی کیا تھا۔ مشکل سے مٹھی بھر ہو گا۔ ڈوگنگی ناف اپر چولی۔ پھیر وہ بھوئیں کول تین بارہاتھ لاء کے کان پکڑتی اور بانیں چڑھا کے سامنے آ جاتی۔ کالا بدلت کندھ کی کندھ اٹھ کر کھڑا ہو جاتا اور دونوں بانیں آڈیتیا۔ ٹھمکی اپنی جگہ سے "لے بیری آگئی تیری سوکن" کہ کر اچھلتی اور رچھ کے ساتھ جٹ جاتی۔

موجود ڈگڈگی بجا کر بولتا "لوڈ جی نثارا کرو۔ ٹھمکی تے رچھ، نال رچھ تے سوانی۔ واہ جی

واہ۔ لے اوئے گوڈالا کے چالے ٹھمکی کوں تے مار بھوئیں تے۔ پرواٹاں کریں۔ غم ناں کھائیں۔ گھیوکی چوریاں کھان والیاں اج وکھادے اپنی سور متلائی، سٹ دے سوانی کو جھین تے۔ چڑھ جاس کی لوٹھ پر۔ واہ جی واہ ”۔

ٹھمکی پھولی سانس کے سنگ اس کو دھکیلتی اور نال نعرے مارنے لگتی۔

”ارا دیکھ لون گی تیری بہادری خصی پرانے، بیبا کے سالے۔ آج یا پھر تو نیں یا میں نہیں۔ تیراتیل لکاڑ کے رکھ دوں گی۔ چربی گلادوں گی ساری۔ موم تیاں بنادیوں تیرے قھنڈے کی ”۔

دونوں میں خوب زور ساری۔ چیخا چھپی ہوتی۔ کدی ایک دھکیلتا کدی دو جا۔ موجود ہاک مار کے کھتا ”بس اوئے لگ گیا سیک ٹھمکی کا۔ گل گیا پنڈا۔ نکل گئی پھوک۔ اوئے گھنی بھادری اے سوانی۔ اچالی نہیں جاندی کنڈلاں والیا؟ خفتیا۔ ماں کیا رانجھیا۔“ پھر ڈگنڈگی اور زور سے بختی اور موجود ہو کتا ”کوئی پاسہ ناں چھڈیں ٹھمکی۔ ساے توت ورت کے دیکھیں۔ سارا زور لگا دئیں۔ تیں کوں چوڑا بناوں دیوں۔ نتھے گھڑوا دیوں۔ کالے بدلوں ڈھادے۔ ساری دنیا نوں دکھادے۔ — کیوں جی مردانوں قدر دانوں! سب کش دستا ہے کہ تیں دستا؟“

”دستا ہے دستا ہے“ مجمع شور چاتا اور کھیل جاری رہتا۔

موجود آکھتا ”ٹھمکی تیار ہو جا۔ سوا وہاں ہو جا۔ لٹ مار کے ڈھگھ لادے کالے بدال کا دھرتی تے۔ پرواٹاں کریں۔ ہیتنی نہ ہوئیں۔— مار کے چھڈیں“

رچھ اپنی تھو تھنی ٹھمکی کے موڈ ہے تے رکھ کے ٹھوکے مارنے لگتا اور ٹھمکی ڈھیلی پڑ جلتی۔ زور لگتی پڑ زور نہ لگتا۔ موجود ڈگنڈگی روک کر دونوں باہیں اوپر اٹھا دیتا اور اچی آواز میں بولتا ”بس کر کافرا بس کر۔— بس کر تھفتیا بس کر۔ کا حلانہ پے۔— بس کر۔ چھڈ دے ملوک نمانی کوں۔ معلقی دے دے“

پر کالا بدال تو بھوت بن کر دھکیلے جاتا۔ گھوٹے جاتا۔ ٹھوکے دئے جاتا۔ اور ٹھمکی مر گلی ہوتی جاتی۔ رچھ کے ہونکے اور لکھکی کی واج اونچی ہوتی جاتی اور موجود منت خوشابد کر

کے جلدی جلدی آکھنے لگتا "بس کر یار بس کر۔ معافی دے دے۔ بھلا دے گھٹا۔ گھر کیاں لو کاں کوں تنگ نہیں کریا کر دے۔ ہار من لے۔ ڈیبہ جا۔ ڈگ جا۔ مر جا۔ اونے قبولیا ہار قبول کر لے۔ ہار من لے"۔ پھر وہ دونوں ہاتھ جوڑ کر اوپر دیکھتا اور اونچی آواز میں کوک فریاد کرتا "یا مشکل کشا پیراں کے پیر۔ دشیر۔ یا ٹالنہار مشکل ملا دے۔ روگ مٹا دے۔ دکھ در دنسا دے"۔

یہ سنتے ہی ٹھمکی ایک نفرہ مدتی اور دھم سے کالے بدل کو زمین پر گرا کے اس کی پیچھتے چھٹ جلتی۔ اس کے اگلے دونوں پوڑے اپنے ہاتھوں میں پکڑ لیتی اور پٹھا پنی جانگھوں اندر دبائیتی۔ رچھ زور زور سے ہونکنے ملنے لگتا تو موجود گذگی بجا کر پوچھتا "بس اونے نکل گیا جھاڑا۔ ہو گئی پچھکڑی چھل۔ آگیا سوا دسوائی نال لزن جھگڑن کا"۔ ٹھمکی تو کانپتے ہوئے رچھ کے ساتھ اسی طرح چمٹی رہتی اور موجود سلوو کا کول ہاتھ میں لے کے مجمع میں پھیری کر نے لگتا۔ کوئی چونی ڈالتا، کوئی اٹھنی، کوئی کوئی روپیہ بھی کول میں پا دیتا۔

رات کو جھگی میں سوتے سے ٹھمکی رچھ کے پیٹ پر سر رکھ کے سوتی تھی۔ وہ اپنا پوڑا اٹھا کے اس کے سینے پر ڈال دیتا۔ موجوداً کثر کرتا "ٹھمکی ایبہ جنگل کا جنور اے۔ بھوتاں کا بھوت اے۔ اس کے ساتھ لگ کے نہ سویا کر متے کوئی نقصان ہو جائے" پر ٹھمکی ہر بار یہی کہتی "میں کھاج کے مارے لیٹوں ہوں اس کے سنگ۔ باھوں پر کھاج کرا کے بڑا راجی ہووے۔ پوڑے اٹھایلوے چاروں کے چاروں اور نکے نیانوں کی طرح ہونکے۔ اگلے دن کام بھی اچھا کرے۔ باجیاں ڈالے خوش ہو ہو کر"۔

موجود ہر باری جواب میں ایک گل ہی کیا کرتا کہ "اچھا بھئی تیری مرضی، تو جانے اور کالا بدل جانے" اور پاسہ موڑ کر سو جاتا۔

مردیوں کے دن تھے۔ گندم کی فصل نسری کھڑی تھی پر ابھی اس میں سے نہیں پڑے تھے۔ پتہ نہیں کی ہو یا اور کی کھا گیا یا اس کی نظر لگ گئی، کالا بدل بیمار ہو گیا اور گھنا ای بیمار ہو گیا۔ جو جودوا، نخ، کاڑھے موجود کو پڑتے تھے اس نے سلبے آزمائے دیکھ لئے پر کیکر جیسا رچھ گل گل کے کالی بلی بن گیا اور ہڈیوں کی موٹھ ہو گیا۔ ٹھمکی دن رات روئی رہتی۔ نہ

پکانا نہ ریلہ جانا۔ نہ جھگی میں پوچا بواہری کرنا۔ ہر وقت رچھ کا ہتھ پکڑ کے بیٹھے رہنا اور روئے جانا۔

جس دن موجود نے نر کنارے اصل کالے لگڑ کی قربانی دی، اسی دن نماش ویلے کالا بدلت ہو گیا۔ موجود نے اپنے پٹے داڑھی میں مشی بھک کے سیاپا کرنا شروع کر دیا تو جھگی کے باہر سدا گاؤں کنڈلی مار کر کھڑا ہو گیا۔ جنے جنایاں سارے اسی موجود کو کوتا دیکھ کر اکھیاں بھیو کے کھڑے ہو گئے۔ بس اک ختم کے ساتھ نیک لگائے چپ چاپ بیٹھی تھی۔ نہ اکھیاں ماں ہنجونہ ہونشاں تے دکھ کیاں لیکاں۔ ناں حل ناں جل۔ نہ گل نہ کلام۔ بس سانس کی ڈوری کی پھرت تھی جس تے وجود پور کھاتھا۔ گوٹھ کی سوانیوں نے کینا ایسی کجات سوانی بھی کوئی ہیگی جس کو اپنے گھر والے کا دکھ نہ سمجھے اور بے روزگاری کافرنہ ہووے۔

سدا دن لا کے گدھاں اور کابر اس نے نر کنارے پڑے کالے بدلت کی لوٹھ کو ختم کر دیا۔ خالی اس کی لگڑے جیسی کھل رہ گئی جس کو ختم کی ناخاکر پسلے تو نر میں لتعن لکا کر چنگی طراں سے دھویا۔ پھیر اس تے اون بھرک کے کھل کو گول کر کے لپیٹا، اپر لیبر باندھی۔ آخری باری گردن موڑ کے اپنی جھگی کوں ڈھھا اور اپنی واٹ چلی گئی۔

گوٹھ کے لوگ سمجھدے ایں کہ ختمکی واپس دھول پور چلی گئی۔ پرموجود کو کچھ پتہ نہیں۔ وہ سدا دن گلیوں کے ڈکے تنکے چھتارہتا ہے اور روتا ہے۔ کوئی اس کو روٹی کھوادیتا ہے، کوئی پانی پلا دیتا ہے۔ کدی وہ بڑے بوڑھ تلے سو جاتا ہے کدی پرانے آوے کی نیائیوں میں۔ سب کا یہی خیال ہے کہ رچھ کی موت نے اس کو سودائی کر دیا ہے اور رچھ کی ہوک سول بن کے اس کے کلیجے میں ڈوھنگی کھب گئی ہے۔ اوھی تو اس کی کھٹی کملائی کا آسرا تھا۔ اور کھٹی کملائی نہ رہے تو بندے نے ٹھور ٹھور ٹھاں ٹھاں جا کے تیلے تنکے ای چلنے ایں کہ پرموجود اپنے رچھ کی یاد نہیں کرتا، ان بالوں کو تکتا رہتا ہے جدھر سے ختمکی آسکتی ہے۔

